فکرِ اقبال کا ترجمان

میرا پیام

(۱۴)

مدیر
پروفیسر عبدالحق
پروفیسر ایمرطس
دہلی یونی ورسٹی، دہلی

اقبال اکیڈمی (ہند) نئی دہلی

جملہ حقوق محفوظ

ناشر : اقبال اکیڈمی (ہند)، نئی دہلی
اشاعت : نومبر ۲۰۲۱ء
پریس : اصیلا پریس نئی دہلی
قیمت : سو روپیے

MERA PAYAM

Iqbal Academy (India)
Cisrs House, 14 Jangpura B.
Mathura Road, New Delhi
November 2021

ترتیب

◆ ڈاکٹر سید ظفر محمود	حرفِ آغاز	4
◆ پروفیسر عبدالحق	عرضِ حال	5
◆ پروفیسر عبدالحق	اقبال اور امیر مینائی	6
◆ پروفیسر بصیرہ عنبریں	شعر اقبال-- معجزۂ فن کی نمود	12
◆ پروفیسر لطف الرحمان (مرحوم)	اقبال اور ایشائی بیداری	24
◆ ڈاکٹر محمد عامر اقبال	ہندوستان میں اقبال شناسی کی روایت	32
◆ ڈاکٹر طارق الیاس	سفر اسپین سے متعلق علامہ کا ایک نادر خط	45
◆ ڈاکٹر شمیم احمد	اقبال اور حیات وموت کا تصور	57
◆ عارف اشتیاق	اقبال اور فلسطین	67
◆ ڈاکٹر سرفراز جاوید	پروفیسر محمد حسن کی اقبال شناسی	74
◆ تبریک وتبصرہ (پروفیسر عبدالحق)	تبریک وتحسین، دیکھ لی دنیا ہم نے	91
◆ حافظ محمد اختر	اقبال بچوں کے لیے	94

حرفِ آغاز

’میرا پیام‘ کا پندرہواں شمارہ ہدیۂ قارئین ہے۔ ادارے نے چھ سال کی مدت میں یہ شمارے شائع کر کے اقبالیاتی مطالعہ کی جو خدمت کی ہے وہ پرستارانِ اقبال کے پیشِ نظر ہے۔ ان میں اتنے قابلِ قدر مقالے اور مضامین موجود ہیں جنہیں کئی ضخیم جلدوں میں مرتب کیا جا سکتا ہے اور ان پر نقد و تبصرہ کا ایک بڑا سرمایہ وجود میں آ سکتا ہے۔ شاید آنے والے دور میں کسی مرد کا کو یہ توفیق ایزد ملے کہ وہ احتساب کر سکے ۔ ہمارا نصب العین صرف یہ ہے کہ اقبال کے فکر و نظر کو روز مرہ کی زندگی کے معمولات میں شامل کرنے کی جدو جہد جاری رکھیں۔ کامیابی اور اثر آفرینی کی توفیق ربِ جلیل سے طلب کرتے رہیں۔ جو بقول اقبال

’’غالب و کارِ آفریں، کارکشا کارساز‘‘

ہے صاحبانِ ذوق کے مخلصانہ مشوروں اور نیک خواہشات کو لبیک کہتا ہوں اور ان پر عمل پیرائی کے لیے جدو جہد بھی جاری ہے۔ اہل نظر سے امید ہے کہ وہ ہر قدم پر میری دست گیری فرماتے رہیں گے ۔

تیرے نفس کی موج سے نشو و نمائے آرزو

ڈاکٹر سید ظفر محمود

عرضِ حال

اقبال نے ہر ذرۂ کائنات کو ہر حال میں مچلتے رہنے کی تکوینی فطرت پر جگہ جگہ حکیمانہ اشارے کیے ہیں۔اقبال اکیڈمی نے بھی محکم ارادہ کیا ہے کہ دشواریوں کے باوجود ادارے کے ترجمان رسالہ کی اشاعت جاری رکھی جائے۔ دبائی قیود و بند نے مراسم و ملاقات کو مشکل بنادیا ہے۔مگر ذی علم اصحاب اور عزیزوں کی خصوصی عنایت اور رسم و راہ کی پاس داری نے میرے ارادے کو آبرومندی بخشی ہے۔ رسالہ کا پندرہواں شمارہ پیش کرتے ہوئے صاحبانِ قلم اور شائقینِ اقبال کو تہنیت پیش کرتا ہوں کہ ان کے پرخلوص تعاون نے اشاعت کو آسان بنادیا۔ پروفیسر بصیرہ عنبریں لاہور اور ڈاکٹر عامر اقبال صدیقی سیال کوٹ ،ڈاکٹر طارق الیاس راولپنڈی، پروفیسر لطف الرحمٰن مرحوم، ڈاکٹر شمیم احمد، ڈاکٹر سرفراز جاوید، حضرات کے خیال افروز مقالوں نے بڑی علمی طمانیت بخشی ہے۔علامہ کے فکر و نظر کے علاوہ دوسرے ناتمام پہلوؤں پر یہ گفتگو بہت خوش آیند ہے۔کلیاتِ نثرِ اقبال مرتبہ ڈاکٹر خالد ندیم پر لکھا گیا مقدمہ بھی اس شمارے کی ندرت ہے۔گویا نظم کے ساتھ علامہ کی نثری تحریروں کا مجموعہ بھی شائع ہونے کو ہے۔ یہ خبر بھی خوش آیند ہے۔اقبال کا قول یاد آتا ہے کہ مے کدہ میں شراب کے ختم ہونے کا اندیشہ غلط ہے۔ کیونکہ ابھی تو انگور کی بیلوں پر بے شمار خوشے لدے ہوئے ہیں جن سے کشید ہوتی رہے گی۔

ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

اس شمارے میں شامل مضامین سے اقبال کے فکر و شعر کی وسعتوں کا یقین ہوتا ہے۔کرب ناک کرونا کی وبا میں بھی گذشتہ برس دہلی سے اقبال پر چھ کتابیں شائع ہوئی ہیں جو اقبال کی ہر دل عزیزی اور ان کے افکار کی ناگزیری کی علامت ہیں۔اقبال اور آرزوئے انقلاب ،نذرِ مشتاق ، علامہ اقبال (نقشِ ثانی) اقبال نئی تفہیم ، جہاتِ اقبال اور اقبال بچوں کے لیے۔ یہ پانچ کتابیں خاکسار کی نظر میں ہیں۔ یہ ایک شہر کا حال ہے۔ملک بھر میں اقبال پر شائع ہونے والی کتابوں کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔اقبال فہمی کی وسعتوں میں مسلسل اضافہ کے اسباب پر غور و فکر کی ضرورت ہے اسی پر ہمارے احتساب کا انحصار ہے۔

عبدالحق

پروفیسر عبدالحق
پروفیسر ایمرطس
دہلی یونیورسٹی

اقبال اور امیر مینائی

اقبال نے فکرودانش کے صاحبانِ نظر کے علاوہ شعروادب کے بیش از بیش قلم کاروں سے استفادہ کیا ہے۔ان کا وسعتِ مطالعہ ہماری حیرت فزائی میں اضافہ کرتا ہے۔انہوں نے درِدل کی پوری کشادگی کے ساتھ اپنے اکتسابات کا جگہ جگہ اظہار بھی کیا ہے۔ان کے مصدرِفکر کے قابلِ فخر سرچشمے آخری صحفِ سماوی اور حضور رسالت مآبؐ کی ذات گرامی ہیں۔ رموز بے خودی کے اختتامیے میں قرآن حکیم کو کتابِ زندہ ،لازوال حکمت ودانائی کا سرچشمہ،تکوین حیات کا نسخۂ اسرار کہتے ہوئے اقرار کرتے ہیں کہ میں نے اسرار قرآں کے موتی پروئے ہیں

گر دُرِ اسرارِ قراں سفتہ ام

تنزیل وحی کے حامل صاحبِ کتاب سے متعلق اقبال کا یہ اعتراف ان کے مطالعہ میں نقطۂ نور رہے۔

ایں ہمہ از لطفِ بے پایانِ تست
فکرِ ما پروردۂ احسانِ تست

یعنی فکرونظر کا تمام سرمایہ اسی ذاتِ گرامیؐ کی بے پایاں بخشش کا ثمر اور اسی کے احسان کا پروردہ ہے۔
مولانا رومی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مرشدِ روشن ضمیر ہیں جنھوں نے میری خاک کو اکسیر بنایا ہے۔مولانا جامی کو نذرانہ پیش کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے:

کشتۂ اندازِ ملا جا میم
نظم ونثرِ اوعلاج خامیم ۱؎

شعریاتِ اقبال میں قابلِ ذکر خراجِ تحسین نظیری نیشاپوری کو پیش کیا گیا ہے۔اسے دوبار تضمین کیا گیا ہے۔کیوں کہ اقبال کی فکری فضاؤں میں نظیری کا قول طلوعِ نور کی مانند ہے۔نظیری کی طرح اقبال اپنے قبیلے میں اسی شخص کو شامل کرنا چاہتے ہیں جو شوقِ شہادت کو لبیک کہنے کے لیے تیار ہو۔

بملکِ جم ندہم مصرعِ نظیری را
کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست۲؎

کلامِ اقبال میں کثرت سے بے فارسی سخن وروں کے حوالے ملتے ہیں۔مگر اردو شعرا کے بارے میں یہ صورت نہیں ہے۔غالب پر نظم کے علاوہ جاوید نامہ میں قابلِ ذکر تذکرہ ہے۔ان کے کئی اشعار بھی حوالے میں آتے ہیں۔حالی وشبلی اور داغ کی رحلت پر نظمیں موجود ہیں۔محمد حسین آزاد کا بھی ایک حوالہ ڈائری میں ملتا ہے۔ان کے علاوہ امیر مینائی کا کئی بار ذکر کیا گیا ہے۔انہیں اشعار کی بنیاد پر پیشِ نظر مضمون سپردِ قلم کیا گیا ہے۔مرثیۂ داغ کے علاوہ استاد کے بھی اتنے حوالے نہیں ملتے۔متروک غزل کے ایک مطلع میں مذکور ہے:

گر ہم پر خفا ہوتا ہے جو وہ بت اقبال
حضرتِ داغ کے اشعار سنا دیتے ہیں۳؎

مگر امیر کا معاملہ برعکس ہے۔کئی جگہ اشارے موجود ہیں۔اصلاحِ سخن کے لیے اقبال کی داغ سے بہت مختصر مراسلت ہوئی۔دو تین غزلوں کے علاوہ داغ کا رنگِ سخن غالب نہ آسکا۔ان کا طرزِ کلام اقبال کے مزاج کے منافی تھا۔داغ کے آہنگ پر ٹھہر جانا کسی ہلاکت سے کم بھی نہ تھا۔

امیر داغ کے معاصر اور معترف تھے۔دونوں کی کارگہی کے میدان مختلف تھے۔ارضی مملکت میں فضائی فاصلہ بھی حائل تھا۔رام پور لاہور سے قریب تر ہونے کی وجہ سے گمان ہوتا ہے کہ شاید اقبال نے امیر مینائی سے بھی رجوع کیا ہو۔کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔مگر حوالے امیر سے وابستگی کا اشارہ کرتے ہیں۔اتنا تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اقبال کے گوشۂ دل میں امیر کا احترام موجود ہے۔داغ کے انتقال پر لکھی جانے والی نظم میں امیر کا تذکرہ بے سبب نہیں ہے۔یہ نظم کا دوسرا شعر ہے۔

توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینائے امیرؔ
چشمِ محفل میں ہے اب تک کیفِ صہبائے امیرؔ

نظم میں غالب، مہدی مجروح اور حالی کے ساتھ کیفِ صہبائے امیرؔ کا تذکرہ اقبال کے نہاں خانۂ دل کی نسبتوں کی نشان دہی کرتا ہے۔اقبال نے اپنی محبوب شخصیتوں کی رحلت پر قطعۂ تاریخ بھی قلم بند کیے ہیں جیسے سرسید وغیرہ۔۱۷ر نومبر ۱۹۰۰ء میں امیر مینائی کا انتقال ہوا۔اقبال نے تاریخ کہی۔

لسان الصدق فی الاخرین

امیر سے اقبال کے تعلق خاطر کا ایک اور سراغ ملتا ہے اقبال نے مولانا احسن مارہروی کو ۱۹۰۳ء میں جو خط لکھا تھا اس میں امیر مینائی کی تصویر طلب کی تھی غالباً یہ اقبال کا سب سے پرانا خط ہے جو اقبالنامے میں نقل کیا گیا ہے۔ اس سے اقبال کے شوق دید و دریافت کا پتہ چلتا ہے۔ قدرت نے اقبال کو شعری بیان کے لیے بلا کی قوت بخشی تھی۔ ان کی نظمیں ان کے بیانیہ اظہار کی بہترین مثالیں ہیں جن میں داستان سرائی کے بھرپور عناصر موجود ہیں ان کی مختصر اور طویل نظمیں فنی معجزنمائی کی شاہد ہیں۔ ؎ ابتدائی دور کی ایک نظم ''سرگذشتِ آدم'' بانگِ درا کے حصۂ اول میں شامل ہے۔ یہ نظم ۱۹۰۴ء کی تخلیق ہے اور اٹھارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ ان میں حضرتِ آدم کی ریاضِ جنت سے لے کر کرۂ ارض کو غیرتِ بہشت بریں بنا دینے تک کی لاکھوں برس کی داستان کو بیان کیا گیا ہے۔

رسالہ مخزن ستمبر ۱۹۰۴ء کے شمارے میں یہ نظم پہلی بار شائع ہوئی تھی اس میں ۲۸ اشعار تھے۔ بانگِ درا کی اشاعت کے وقت اس نظم کے دس اشعار حذف کر دیئے تھے حالانکہ یہ اشعار فنی اور فکری اعتبار سے اہم تھے۔ اس نظم کا مقطع بھی متروک کر دیا گیا۔ وہ حسبِ ذیل ہے:

عجیب شے ہے صنم خانۂ امیرؔ اقبال
میں بت پرست ہوں رکھ دی
یہیں جبیں میں نے ۵

امیرؔ سے عقیدت مندی کا یہ اظہار ان سے وابستگی کی دلیل ہے اور رشتہ و پیوند کا پتہ دیتی ہے۔ اس نظم کی اشاعت پر حکیم برہم گورکھپوری نے اپنے رسالہ 'فتنہ' میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اگر اقبال نواب مرزا داغ سے فیضیاب ہیں تو دوسری طرف امیر مینائی سے بھی مستفید ہیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''اقبال کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ یہ دعویٰ کر سکیں کہ پنجاب کی اردو شاعری کو انھوں نے غیر مانوس اور غیر فصیح الفاظ سے پاک و صاف کر کے ایک رنگ اپنے لیے اختیار کر لیا۔ اگر زبان کی صفائی میں وہ جناب مرزا داغؔ کے پیرو کار ہیں تو خیالاتِ عالیہ اور مضامین بلند اور جدت طرازی میں جناب امیرؔ کے مینائے کلام کے جرعہ کش ہیں۔'' ۶

چوں کہ حکیم برہمؔ کا سلسلہ امیر مینائی سے ملتا ہے۔ اس لیے بھی عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے ابھی تک اس کا سراغ نہیں مل سکا ہے کہ اقبال نے امیر مینائی سے بھی براہِ راست استفادہ کیا ہے یا ان سے اصلاح لی ہے۔ داغؔ حیدرآباد میں تھے۔ اقبال خط و کتابت کے ذریعہ اصلاح لیتے رہے۔ اگر چہ یہ اصلاح برائے نام تھی۔

امیر کی شخصیت اور شعر سے شعوری قربتوں کے دوسرے شواہد بھی ملتے ہیں۔ اقبال کی مقبولیت سے ان کے حریف وحلیف حلقے میں اضافہ ہوا۔ اہل لکھنؤ نے علاقائی عصبیت اور زبان دانی کے زعم میں اقبال کے زبان وبیان پر اعتراضات کیے اقبال نے ان کے جواب میں ''اردو زبان پنجاب میں'' کے عنوان سے عالمانہ مضمون لکھا اور اساتذۂ فن کے کلام سے مثالیں دیں۔ ان میں امیر کے کئی اشعار بہ طور سند پیش کیے گئے ہیں۔ اعتراض کے پہلے جواب میں اقبال نے امیر کے دو شعر کا انتخاب کیا ہے۔

'' اساتذہ کا کلام میرا موید ہے ۔فخر المتقد مین والمتاخرین
حضرت امیر علیہ الغفر ان ایک مشہور غزل میں فرماتے ہیں:

صورتِ غنچہ کہاں تابِ تکلم مجھ کو
منہ کے سو ٹکڑے ہوں آئے جو تبسم مجھ کو
مر کے راحت تو ملی پر ہے یہ کھٹکا باقی
آ کے عیسیٰ سرِ بالیں نہ کہیں قم مجھ کو

دوسرے شعر میں ''کہنا'' کا مقولہ ایک مرکب تام یعنی قم ہے۔
اور حضرتِ مرحوم اس کا صلہ ''کو'' استعمال کرتے ہیں۔'' ۷

اعتراض دوم کے جواب میں بھی امیر کا حوالہ ہے۔ حضرتِ امیر مرحوم روحی فداہ کا بھی ایک شعر یاد آ گیا۔

قاصد! یہ زباں اس کی بیاں اس کا نہیں ہے
دھوکا ہے تجھے اس نے کہا اور ہی کچھ ہے'' ۸

تنقید ہم درد'' کے چوتھے اعتراض کے جواب میں اقبال نے امیر مینائی ہی کے شعر سے بارِ ثبوت فراہم کیا ہے۔

سنگ دل تجھ کو مرے ساتھ یہ کاوش کب تک
میری سوزش کے لیے غیر سے سازش کب تک ۹

اعتراض ششم کے جواب میں بھی امیر کا مصرع منقول ہے۔

میں بارِ خاطرِ قفس و آشیاں نہیں ۱۰

یہ مضمون مخزن میں ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا تھا۔ جب اقبال چوبیس برس کے تھے۔ ان کے تبحرِ علمی اور بے کراں مطالعہ کے اعتراف کے لیے یہ مضمون سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ سترہ صفحے پر مشتمل مضمون میں تقریباً ۶۰ بار شعراء کے اسما و اشعار کا اعادہ کیا گیا ہے۔ امیر کے اشعار کے حوالوں کی تکرار سے اقبال کی

پسندیدگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مطالعۂ اقبال میں یہ بات اہم ہے کہ شعوری قربتوں اور چاہتوں کے باوجود اگر اقبال کی فکر سے کہیں تصادم یا انحراف نظر آتا ہے تو وہ معترض ہوتے ہیں۔ اور تنقید کرتے ہیں۔ اس ضمن میں حافظ شیرازی کی نمایاں مثال ہے۔ بیدل کے ایک شعر پر تنقید موجود ہے۔ مومن کی شاعری پر بھی انہیں اعتراض ہے۔ غالب پر ان کی تنقید اسی فکری رویے کا نتیجہ ہے۔ ایک شعر میں موجود امیر مینائی سے عقیدت ومحبت کے باوجود ان کے فکر وخیال کو ناپسند کیا ہے۔ مگر اس شعر کو بھی ایک رتبۂ بلند حاصل ہے۔ کیوں کہ یہ اسرارِ خودی کے مقدمے میں زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اسناد کے طور پر شعری حوالوں کے اندراج کے تقریباً تیرہ سال بعد اسرار کا مقدمہ لکھا گیا جس میں دو فارسی کے اور امیری مینائی کا ایک شعر درج ہے۔

''مرزا بیدل علیہ الرحمہ لذتِ سکون کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ ان کو جنبشِ نگاہ تک گوارہ نہیں۔

نزاکت ہاست در آغوش مینا خانۂ حیرت
مژہ برہم مزن تا نشکنی رَنگِ تماشا را

اور امیر مینائی مرحوم یہ تعلیم دیتے ہیں کہ

دیکھ جو کچھ سامنے آجائے منہ سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر ذہن تصویر کا'' [11]

وہ ارتقائے فکر کے ساتھ رواں دواں رہے۔ نشیب وفراز بھی آتے رہے۔ احتساب کا عمل بھی جاری رہا جو اقبال کے ارتقائے فکر کی حکیمانہ علامت بھی ہے وہ اپنے اور دوسروں کے خیال پر غور وفکر کے ساتھ تنقیدی نظر بھی ڈالتے رہے۔ اس رہ گزر میں آزمائش سے بھی گزرنا پڑا مگر فکر کی صحت اور سالمیت کے خلاف مفاہمت سے گریز کیا۔ امیر مینائی سے جذبۂ احترام رکھنے کے باوجود ان کے منفی رویے سے اختلاف کا اظہار کیا۔ اقبال کے فکری حسنِ سلوک کا یہ امتیاز بھی ہے۔ خواہ وہ دنیائے دانش ہو یا دین۔ اقبال نے صاحب نظر کی ایک شناخت بتائی ہے۔

ہر کس کہ شد صاحب نظر دینِ
بزرگاں خوش نکرد

حواشی

۱۔ اسرارِ خودی اقبال خودی از عشق و محبت.....
۲۔ جاوید نامہ اقبال نوائے حلاج
۳۔ کلیات باقیاتِ شعرِ اقبال صابر کلوروی ۲۴۲
۴۔ اقبال اور آرزوئے انقلاب عبدالحق ۲۶
۵۔ کلیاتِ باقیاتِ شعر اقبال صابر کلوروی ۲۲۲
۶۔ فتنہ گورکھپور حکیم برہم ۱۶/اگست ۱۹۱۱ء
۷۔ مضامین اقبال مرتبہ تصدق حسین تاج سنہ ۱۳ ۱۲
۸۔ ....// ....// ۱۴
۹۔ ....// .... // ۱۶
۱۰۔ .... // .... // ۱۸
۱۱۔ اسرارِ خودی اقبال مقدمہ

شعرِ اقبال ـــــــ معجزۂ فن کی نمود

عمدہ شاعری اعلیٰ پائے کی فکر اور بے مثل اسلوب کے تال میل سے وجود میں آتی ہے۔ شعر فکر و حکمت سے کتنا ہی بھرپور کیوں نہ ہو پیش کش کا انداز کلام کی معنویت اجاگر کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ گویا فکر یا موضوع کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے مگر اسلوب کا جادو شاعری کو ترفع عطا کرتا ہے۔ قادر الکلام شعرا کے کلام میں جہاں اعلیٰ پائے کی فکریات کا اظہار ہوتا ہے وہاں وہ اپنے اسلوب کی رعنائی سے معنی کے حسن میں بھی اضافہ کر دیتے ہیں۔ علمائے فن نے بھی اسی لیے اسلوب کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے الفاظ کو شاعری کا بیش بہا سرمایہ قرار دیا ہے۔ مشرق اور مغرب کے ناقدینِ شعرا چھے شعر کی پہچان عمدہ اندازِ بیان کو قرار دیتے ہیں اور شاعری میں الفاظ کے موزوں و برمحل استعمال، وزن اور قافیے کی پابندی اور شعر کی دیگر خوبیوں پر اظہار خیال کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں مشرقی اور مغربی نقادوں نے شعر کی غرض و غایت اور ماہیت کے حوالے سے جن خیالات وافکار کا اظہار کیا انہیں مطالعات شعر میں قطعاً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے پیش کردہ فنی مباحث عمدہ شاعری کی جانچ میں نہ صرف ہماری معاونت کرتے ہیں بلکہ شعر کو پرکھنے کے پیمانے بھی فراہم کرتے ہیں۔ یہ افکار اس امر پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ شاعری میں موضوع اور اسلوب کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جس قدر یہ تعلق مضبوط ہوگا اتنا ہی شعر کی افادیت و تاثریت میں اضافہ ہوگا۔ شاعری کو صرف اس کا موضوع ہی عروج نہیں بخشتا بلکہ کلام کو آفاقیت بخشنے میں الفاظ کی سادگی وشیرینی، صاف اور چست بندش، جذبات واحساسات کی چاشنی، مضمون آفرینی، تخیل کی ندرت، فصاحت و بلاغت، واقعیت واصلیت اور طرزِ ادا کی جدت کا بھی اہم کردار ہے۔ خصوصاً مشرقی شعریات میں ان عناصر ترکیبی کا بنیادی کردار رہا ہے۔ مشرقی شعرا کے کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس امر سے آگاہ ہیں کہ شاعری میں محسنّات شعری کے موثر استعمال سے شعر کے ظاہری حسن میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس کے معنوی ابعاد کو کس طرح